

محمد صابر

ریسرچ اسکالر

شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

باباے اُردو کے خطوط سبط حسن کے نام

ABSTRACT

Baba-e-Urdu's letters addressed to Sibte-e-Hasan

By Muhammad Sabir, Research Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Baba-e-Urdu Molvi Abdul Haq used to support and guide the young scholars and writers of Urdu. Sibte-e-Hasan, who later shot to fame with his works on progressivism, was one of the budding writers whom Molvi Abdul Haq guided. The article analyses the letters that Molvi Abdul Haq wrote to Sibte-e-Hasan, explaining the literary, social and political background.

باباے اُردو مولوی عبدالحق کے مکتوبات اُن کی اُردو زبان سے محبت اور فروغ اُردو کے لیے اُن کی کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں (۱)۔ اُن کے مکتوبات اُردو ادب کے وہ شہ پارے ہیں جن میں ان کے اسلوب، زبان پر عبور اور عام گفتگو میں عالمانہ تجاویز، شکوے اور اُن کے حل کے لیے مشورے بھی موجود ہیں۔ خط کے ذریعے مکتوب نگار اپنی دلچسپیوں، خوشیوں، مصیبتوں اور آرزوؤں سے آگاہ کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے خطوط کے ذریعے اہل علم کو ادب کے اہم سرمائے کی طرف راغب کیا ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ باباے اُردو کس طرح اہل علم کی پذیرائی کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا اُن حضرات کے ذریعے اُردو کی ترقی و ترویج اور اصلاح زبان و اصطلاحات کا کام لیتے تھے۔ سبط حسن باباے اُردو کے قریبی چاہنے والوں میں تھے اور خود مولوی صاحب بھی اُن کی قدر کرتے تھے۔ سبط حسن اپنی کتاب ”شہزگاراں“ میں لکھتے ہیں کہ مئی ۱۹۳۵ء کی کوئی تاریخ تھی۔ میں لکھنؤ میں مقیم تھا کہ مولوی عبدالحق صاحب کا تار آیا کہ تم فوراً اورنگ آباد پہنچو۔۔۔ اورنگ آباد پہنچ کر اختر [حسین رائے پوری] کی زبانی معلوم ہوا کہ مولوی صاحب مجھے حیدر آباد بھیجنا چاہتے ہیں، وہاں ”پیام“ نامی ایک اخبار قاضی عبدالغفار صاحب کی ادارت میں جاری ہوا ہے۔ مولوی صاحب اس کے سرپرست ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ میں اس اخبار میں کام کروں (۲)۔

اورنگ آباد میں سبط حسن کی باباے اُردو سے ملاقات رابعہ دُرانی کے مقبرے سے ملحق ایک بنگلے میں ہوتی تھی (اس مقبرے کا ذکر باباے اُردو نے اپنے مشہور خاکے نام دیومالسی میں بھی کیا ہے) جہاں انجمن کا صدر دفتر بھی

تھا۔ جس کمرے میں باباے اردو رہتے تھے یہ کمرہ ان کا کتب خانہ بھی تھا، دفتر بھی اور آرام گاہ بھی۔ سبط حسن کہتے ہیں کہ ناشتے کی میز پر وہ ہم سے ہنس کر باتیں کرتے تھے لیکن اس کے بعد کسی کی مجال نہ تھی کہ بن بلائے ان کے کمرے میں داخل ہو جائے۔ سبط حسن سے مولوی صاحب کا تعلق بہت دیرینہ تھا اس لیے باباے اردو مولوی عبدالحق کے سبط حسن کو لکھے گئے خطوط قارئین کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔

درج ذیل خط میں باباے اردو انجمن کے مالی حالات کا ذکر کرتے ہوئے انجمن کے رسالے تاریخ و سیاسیات کو بند کرنے کا عندیہ دے رہے ہیں اور اس بات کا ذکر کر رہے ہیں کہ انجمن کے مالی معاملات اس قابل نہیں ہیں کہ وہ لکھنے والوں کو کوئی معاوضہ یا اعزاز یہ پیش کر سکے۔ آگے مولوی صاحب سبط حسن کو ان کے مقدمات سے بری ہونے کے بعد بھارت چلے جانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

{۱}

مورخہ ۴ فروری ۱۹۵۵ء

مکرمی و عزیز ی۔ آپ کا خط ملا۔ آپ کی رہائی (۳) سے (اور وہ بھی ضمانت پر) کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ خصوصاً جب لاہور سے باہر نہیں جاسکتے۔ میرا خط آپ کو نہیں ملا۔ کوئی ایسا ضروری بھی نہ تھا۔ میں آج کل بہت مصروف ہوں۔ میرے دونوں مددگار بیمار ہیں۔ سب کام مجھی کو کرنا پڑتا ہے۔ ایک دن کے لیے بھی باہر نہیں جاسکتا۔ انجمن جب حیدر آباد اور دہلی میں تھی تو ہر مضمون کا معاوضہ دیتی تھی۔ یہاں انجمن میں اتنی استطاعت نہیں رہی۔ اب تک پانچ رسالے شائع کرتے تھے۔ قومی زبان (۴)، [سہ ماہی] اردو (۵)، سائنس (۶)، معاشیات (۷)، تاریخ و سیاسیات (۸) گزشتہ سال ان میں انجمن [کو] پندرہ ہزار روپے کا خسارہ ہوا۔ مجبور ہو کر اس سال تاریخ و سیاسیات کو بند کرنا پڑا۔ باقی رسالے بھی بہت خسارے سے چل رہے ہیں۔ ایسی حالت میں انجمن کیا معاوضہ دے سکتی ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو اور رسالے بھی بند کرنے پڑیں گے۔ دیکھئے [کذا] فیڈرل کورٹ کیا فیصلہ کرتی ہے۔ اگر فیڈرل کورٹ سے آپ بری ہو جائیں تو پھر آپ بھارت چلے جائیں۔ غالباً وہاں حالت بہتر ہوگی۔

عبدالحق

اس خط میں مولوی صاحب سبط حسن کو تمام مقدمات سے بری ہونے پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

{۲}

مورخہ ۱۹/۱/۱۹۵۹ء

عزیزم سید سبط حسن سلمہ۔

آج اخباروں (۹) [میں] یہ خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ تم قید و بند سے آزاد کر دیئے گئے۔ آزادی قید سے کچھ کم کٹھن نہیں ہوتی۔ اس کی پابندیاں ایک قیدی کی پابندیوں سے شاید ہی کچھ کم ہوں۔ لیکن باوجود اس کے دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ خدا کرے یہ گرفت آخر ہوا و تم آئندہ زندگی خوش حالی اور آزادی سے بسر کرو۔

خیر طلب

عبداللہ

درج ذیل خط میں فیض صاحب کے علاوہ بابائے اردو نے اپنی خاکوں کی کتاب ”چند ہم عصر“ اور خالدہ ادیب خانم کا بھی ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی سبط حسن سے رسالہ ”لیل و نہار“ میں اس خاکے کی اشاعت سے متعلق اظہار کیا ہے۔

{۳}

مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۹ء

عزیز من سلمہ۔ میری طرف سے فیض صاحب کو مبارک باد کہنا کہ وہ خیر و عافیت سے سرکاری مہمان خانے سے اپنے گھر آ گئے۔ اب دونوں میں سے کونسا گھر اچھا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا۔

اس وقت میں اپنی کتاب چند ہم عصر (۱۰) کے لیے خالدہ ادیب خانم (۱۱) کا حال لکھ رہا ہوں۔ مجھے خیال آیا کہ تم نے مجھ سے اپنے سالانہ نمبر کے لیے مضمون کی فرمائش کی تھی۔ معلوم نہیں آپ اسلین و نہار (۱۲) میں شائع کرنا پسند کریں گے یا نہیں۔ ہر اخبار کا ایک مسلک ہوتا ہے۔ اور وہ اسی نوعیت کے مضمون اپنے اخبار میں چھاپتا ہے۔ اس کے علاوہ کیسا ہی اعلا درجہ کا مضمون ہو وہ نہیں چھاپے گا۔ مثلاً میرا رسالہ اردو ہے اس میں زبان، لسانیات، ادبی تنقید وغیرہ سے بحث ہوتی ہے اگر کوئی فلسفہ یا تاریخ کا اعلا درجہ کا مضمون اردو میں شائع کرنے کے لیے بھیجے گا تو میں شائع نہیں کروں گا۔ اس میں بُرا ماننے کی بات نہیں۔ اس لیے اگر یہ مضمون

تمہارے اخبار کے مسلک کے خلاف ہو تو بلا تامل صاف انکار کر دینا۔ میں ہرگز بُرا نہ مانوں گا۔ اگر خلاف نہ ہو تو لکھ بھیجو۔ ایک دوروز میں بھیج دوں گا۔ میرے پاس خانم کی بہت اچھی تصویر تھی افسوس وہ دلی میں اور بہت سی عزیز چیزوں کی طرح رہ گئی۔ کس کس کو روؤں۔

خیر طلب

عبدالحق

اس خط میں ایک مضمون جو باباے اُردو نے سبط حسن کو بھیجا تھا اُس کی بابت ذکر کر رہے ہیں۔

{۴}

مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۵۹ء

عزیز من سلمہ۔ تمہارا خط ابھی ابھی ملا۔ مضمون بذریعہ رجسٹری بھیج رہا ہوں۔ خدا کرے تمہیں پسند آئے۔

صفحہ ۹ کے بالمقابل (یعنی صفحہ ۸ کی پشت پر) ایک عبارت صفحہ ۹ کی لکھی ہے اور اُس صفحہ پر نیچے سے تیسری سطر پہ یہ نشان [کذا (۱۳)] ہے۔ یہاں ”گر گیا“ (۱۴) کے بعد نیا پیرا شروع ہوگا اور اس کے بعد دوسرا پیرا [۱] ”کلکتہ میں نور جہاں“ (۱۵) ہوگا۔
وصول سے اطلاع کر دینا۔

خیر طلب

عبدالحق

اس خط میں سبط حسن سے اُن تصویروں کی فرمائش کی ہے جن پر باباے اُردو کے دستخط تھے۔

{۵}

مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۵۹ء

عزیز من سلمہ۔ آپ کا خط پہنچا اور اس کے بعد ہی تصویروں کی رجسٹری وصول ہوئی۔ جس کا شکر [یہ] ادا کرتا ہوں۔ لیکن اس میں وہ تصویریں نہیں جن پر آپ نے میرے دستخط لیے تھے۔ یہاں بعض صاحب انھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیوں [۱] کہ وہ تصویریں آپ کے فوٹو گرافر نے یہاں آ کر لی تھیں۔

خیر طلب
عبدالحق

کراچی میں لائبریریوں کی کمی اور گرمی کے حوالے سے ذکر کر رہے ہیں۔

{۶}

مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۵۹ء

عزیز من سلمہ۔ خط پہنچا۔ اخباروں سے پہلے ہی سب حال معلوم ہو چکا تھا۔ میں یہی سوچ رہا تھا اب تم کیا کرو گے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ لسانیات پر کتاب لکھنا چاہتے ہو۔ ایسی کتابوں کی بہت ضرورت ہے۔ اردو میں اس موضوع پر صرف دو چار ہی کتابیں ہیں اور وہ بھی ایسی نہیں کہ تحقیق کے لحاظ سے مستند ہوں۔ لیل و نہار کی ادارت کی نسبت میں اس کام کو زیادہ ضروری اور مفید سمجھتا ہوں۔ کتاب کی کمیابی کے متعلق تمہاری شکایت بجا ہے۔ لاہور میں تو پھر بھی اچھی اچھی لائبریریاں اور کتابیں مل جاتی ہیں۔ کراچی اس معاملے میں بہت بیٹا ہے۔ تم لاہور کی گرمی کی شکایت کرتے ہو کہ درجہ حرارت ۱۱۰ تک پہنچ گیا ہے۔ یہاں پر سو ۱۱۳ تھا۔ ایسی گرمی کراچی میں کبھی نہیں پڑی تھی۔ اپنے حالات سے کبھی کبھی ضرور اطلاع دیتے رہو۔

خیر طلب
عبدالحق

حواشی:

- (۱) مولوی عبدالحق کے مکتوبات پر کئی کتب موجود ہیں۔ مثلاً:
(الف) جلیل قدوائی (مرتبہ)، مکاتیب عبدالحق۔ بنام عبد الماجد دریا بادی صاحب (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۳ء)
(ب) ڈاکٹر عبادت بریلوی (مرتبہ)، خطوط عبدالحق بنام ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی (لاہور: مجلس اشاعت مخطوطات، اورینٹل کالج، دسمبر ۱۹۷۶ء)
(ج) عبدالقوی دستوی، مکاتیب عبدالحق بنام محوی صدیقی (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۰ء)
(د) ڈاکٹر عبادت بریلوی (ترتیب و مقدمہ)، خطوط عبدالحق بنام ڈاکٹر عبادت بریلوی (لاہور: ادارہ ادب و تنقید،

(اکتوبر ۱۹۸۴ء)

(۵) محمد اکبر الدین صدیقی (مرتبہ)، خطوط عبدالحق (حیدر آباد دکن: حیدر آباد اردو اکیڈمی، سن) (و) پروفیسر آل احمد سرور (مرتبہ)، خطوط عبدالحق بنام آل احمد سرور (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۸ء)

(۲) کراچی، مکتبہ دانیال، سترھویں بار، ۲۰۱۶ء، ص ۱۶-۱۷

(۳) (الف) سبط حسن، شہر نگاران (کراچی: مکتبہ دانیال، سترھویں بار، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۵۶ ملاحظہ ہو: سبط حسن لکھتے ہیں ”اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خاں نے جب حکومت کا تختہ الٹا اور ملک میں مارشل لا لگا تو ہم سب جن کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں بائیں بازو سے تھا گرفتار کر لیے گئے۔“

(ب) افکار (نہم نمبر)، شمارہ: ۵۸، ۵۹، جنوری فروری ۱۹۷۵ء۔ ”مئی ۱۹۵۱ء سے نومبر ۱۹۵۱ء تک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔ دوسری بار بھی اسی ایکٹ کے تحت اکتوبر ۱۹۵۸ء سے فروری ۱۹۵۹ء تک نظر بند رہنا پڑا۔ اسیری کے دوران آپ نے جن جیلوں کی سیر کی وہ یہ ہیں۔ لاہور سنٹرل جیل، لاہور ڈسٹرکٹ جیل، کیمبل پور ڈسٹرکٹ جیل، راولپنڈی سنٹرل جیل اور شاہی قلعہ لاہور۔“ بقول ڈاکٹر جعفر احمد کیوں کہ احمد ندیم قاسمی کے ساتھ فیض احمد فیض اور سبط حسن بھی تھے لہذا سبط حسن کے اسیری کے ایام بھی تقریباً یہی تھے۔

(ج) ایوب خان کے مارشل لا میں سبط حسن کو گرفتار کیا گیا۔ ان کے ساتھ، فیض اور احمد ندیم قاسمی بھی گرفتار ہوئے تھے۔ دو تین ماہ بعد یہ لوگ رہا کر دیئے گئے۔ مزید دیکھیے ”یادوں کی برات کا قلمی نسخہ اور اُس کے گمشدہ وغیرہ مطبوعہ اور اوراق ایک تحقیقی دریافت“، تحقیق و تدوین ڈاکٹر ہلال نقوی، جوش لٹریچر سوسائٹی (کیکگری) کینیڈا، پہلا ایڈیشن اپریل ۲۰۱۳ء، ص ۲۵۵

(۴) قومی زبان، پاکستان سے یکم جون ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ ابتدا میں یہ رسالہ ہفت روزہ تھا۔ (۵) سہ ماہی اردو کا اجرا اورنگ آباد سے جنوری ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ جب انجمن کا دفتر ۱۹۳۹ء میں دہلی منتقل ہوا تو جنوری ۱۹۳۹ء میں ”اردو“ کا پہلا شمارہ دہلی سے نکلا۔ یہ پرچہ ۱۹۳۹ء سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک دہلی سے ہی شائع ہوتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد رسالہ ”اردو“ جولائی ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔ جلد اور شمارہ کا تسلسل ۱۹۴۷ء کے شماروں کے ساتھ مربوط رکھا گیا لیکن ہندوستان میں انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے رسالہ ”اردو“ کو دوبارہ جاری کیا تو اس کا نام ”اردو ادب“ رکھا گیا اور اس کے ایڈیٹر پروفیسر آل احمد سرور مقرر ہوئے۔ اس کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا، جس میں جلد اور شماروں کا عدد از سر نو لکھا جانے لگا۔

(۶) ”سائنس“ پہلی دفعہ جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔ مولوی عبدالحق نے اس کی تدوین کا کام جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کو سونپا۔ ان کے بعد مولوی محمود احمد خان، مولوی نصیر احمد عثمانی اور آفتاب حسن بھی اس کے مدیر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء میں دوبارہ شائع ہوا۔ ڈاکٹر مظفر الدین قریشی مدیر اعلیٰ اور مجلس ادارت میں ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی، میاں محمد افضل حسین، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر حامد خاں بھٹی، ڈاکٹر شبیر احمد، میجر آفتاب حسن، ڈاکٹر افضل حسین قادری اور سید سبط نقوی تھے۔

(۷) انجمن ترقی اردو دہلی سے ”معاشیات“ ۱۹۴۶ء میں جاری ہوا۔ اس کے مدیر طفیل احمد خان تھے۔ مئی ۱۹۴۷ء تک یہ پابندی سے شائع ہوتا رہا مگر تقسیم کے بعد دوبارہ اگست ۱۹۴۹ء میں انجمن ترقی اردو، کراچی سے اس کا اجرا ہوا۔ رسالے کی ادارت کے لیے ایک مجلس قائم ہوئی جس میں ممتاز ماہرین معاشیات محمد احمد سبزواری (باباے اردو کے قریبی ساتھی ۱۳ جولائی ۲۰۱۶ء کو کراچی میں انتقال کر گئے) وفات کے وقت اُن کی عمر ۱۰۳ سال سے زائد تھی۔ وہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۳ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ معاشیات سے متعلق آپ کی کتاب ”ہمارے بینک“ اور ”فرہنگ اصطلاحات بینک کاری“، ”اسلام میں بچت“، Glossary

of Islamic Zakat and Ushr Economic Terms (ایم تصانیف ہیں۔) ڈاکٹر انور اقبال، سید منیر الہدی،

ڈاکٹر سردار محمد اختر، سید عبدالصمد، الطاف گوہر اور غلام محمد بدر الدین شامل تھے۔

(۸) سہ ماہی ”تاریخ و سیاسیات“ اپریل ۱۹۵۱ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اس کی مجلس ادارت میں ڈاکٹر محمود حسین خان، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مسٹر ایم۔ بی احمد، ڈاکٹر معین الحق، ڈاکٹر ریاض الحسن، سید حسام الدین راشدی، قاضی احمد میاں اختر اور سید ہاشمی فرید آبادی شامل تھے۔

(۹) راقم نے اخبار کے حصول کے لیے مختلف لائبریریوں تک رسائی حاصل کی مگر، تا حال یہ اخبارات بھی دست یاب نہ ہو سکے۔

(۱۰) ”چند ہم عصر“ بابائے اردو کی خاکوں پر مبنی کتاب ہے۔ اس ایڈیشن کا سلسلہ انجمن ترقی اردو نمبر ۱۰۳، ہے۔ نوشتہ مولوی

عبدالحق صاحب آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو اور مرتبہ مرحوم شیخ چاند، ایم۔ اے، ایل ایل بی ری سرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ درج

ہے۔ جسے لطیفی پریس دہلی نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے کل خاکوں کی تعداد ۱۴ تھی۔ التماس میں منبر انجمن ترقی اردو اور نگ

آباد لکھتے ہیں ”یہ مضامین مرحوم شیخ چاند ایم۔ اے، ایل ایل بی (ری سرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ) نے مختلف رسالوں کتابوں اور

تحریروں سے بڑی محنت اور تلاش کے بعد جمع کیے تھے۔ ان میں سے کچھ تحریریں تو ایسی ہیں جو بعض بزرگوں کی وفات پر لکھی گئی

تھیں اور کچھ کتابوں کے تبصرے کے ضمن میں آگئی تھیں۔ یہ سب مرحوم نے ایک جگہ جمع کر لی تھیں۔ مرحوم کی فرمائش مولوی عبدالحق

صاحب سے یہ تھی کہ سر سید احمد خان، نواب عماد الملک اور مولانا حالی پر بھی اسی قسم کی تحریریں لکھ دیں کیوں کہ مولوی صاحب کے

ان تینوں بزرگوں سے خاص تعلقات تھے۔ مولانا حالی پر تو ایک مضمون لکھ دیا لیکن باقی دو مضمون لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ اگر طبع ثانی

کی نوبت آئی تو امید ہے کہ اس کی تکمیل ہو جائے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ ہر تحریر کے ساتھ نوٹ بھی لگا دیے جائیں لیکن اس کا بھی

موقع نہ ملا، اسے بھی آئندہ کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ ان مضامین کی ترتیب بھی وہی رکھی گئی ہے جو مرحوم شیخ چاند نے رکھی تھی۔ افسوس

وہ اسے اپنی زندگی میں طبع نہ کر سکے اور اس سے پہلے ہی چل بسے۔ اب اس جوانمرگ کی یاد میں یہ کتاب طبع کی جاتی ہے۔“ طبع

ثانی دیکھنے کی خواہش اب تک ہے۔ مگر وہ کہیں دستیاب نہ ہو سکی۔ طبع سوم جس کا مطبوعات نمبر ۱۹۲ ہے اور جس پر (بعد نظر ثانی

واضافہ) درج ہے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ اس پر نوشتہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو لکھا ہے۔

اس میں چار نئے خاکے شامل کیے گئے۔ اور اس طرح ان خاکوں کی تعداد ۱۸ ہو گئی۔ اس کا دیباچہ اختر جو ناگڑھی نے لکھا تھا۔ وہ

لکھتے ہیں ”مولوی صاحب نے سر سید پر ایک مفصل مضمون تھا جو اس میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ طویل مقالہ سر سید کی سیرت اور کردار

کے بعض ایسے پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے جو اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتے۔“ جو نئے چار خاکے اس ایڈیشن میں شامل کیے گئے

تھے وہ ”سر سید اس مسعود“، ”میرن صاحب“، ”نام دیو مالی“ اور ”سر سید احمد خان“ کے تھے۔ طبع

چہم بعد نظر ثانی و اضافہ اس کا سلسلہ مطبوعات نمبر بھی ۱۹۲ ہے اور نوشتہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب بالقابہم شائع ہوا ہے۔ اس

کتاب میں خاکوں کی تعداد ۲۴ ہے۔ اضافہ شدہ خاکوں میں ”ڈاکٹر محمد اقبال“، (یہاں ڈاکٹر محمد اقبال سے مراد علامہ

اقبال نہیں ہیں) ”مولانا حسرت موہانی“، ”عبدالرحمن صدیقی“، ”درویش پروفیسر ری ہٹ

سک“، ”ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری“ اور ”نواب عماد الملک“ شامل ہیں۔

”چند ہم عصر“ کے انجمن سے شائع ہونے والے نسخوں کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس دوران اردو اکیڈمی سندھ کا ایک نسخہ بھی نظر

آیا۔ جس میں ایک عجیب بات یہ محسوس ہوئی کہ بابائے اردو کے خاکوں میں سے ایک خاکہ ”منشی امیر احمد صاحب

مرحوم“ کا نکال کر آخر میں ”خالدہ ادیب خانم“ کا خاکہ شامل کر لیا گیا ہے۔ مگر انجمن سے شائع ہونے والی تمام اشاعتوں

میں ”خالدہ ادیب خانم“ کے خاکے کو اب تک شامل نہیں کیا گیا ہے۔ ”خالدہ ادیب خانم“ کا یہ خاکہ ”ہفت روزہ لیل و نہار“،

لاہور، جلد ۹، نمبر ۱۵، اتوار ۱۲/۱۲/۱۹۵۹ء، ص ۹-۱۱ کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ جسے اردو اکیڈمی سندھ نے ”چند ہم

عصر“ کی اشاعت نمبر ۱۹۵۹ء میں شامل کر لیا تھا۔

اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی کی اشاعت نومبر ۱۹۵۹ء میں مولوی عبدالحق کا ڈیڑھ صفحے پر مبنی دیباچہ موجود ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے ”اس کتاب کے مضامین سب سے پہلے شیخ چاند مرحوم نے جمع کر کے کتاب کی صورت میں شائع کیے۔ یہ مضامین کچھ تو رسالوں میں پہلے چھپ چکے تھے کچھ خاص اس کتاب کے لیے لکھے گئے اور بعض شیخ چاند مرحوم نے کتابوں کے تبصروں یا میرے ذاتی خطوط سے اقتباس کر کے اس میں داخل کر دیئے۔ شیخ چاند کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا رہا اور مختلف اصحاب نے اس کو مرتب کیا۔ اس میں دو مضمون ایسے ہیں جو شیخ چاند مرحوم نے مجھ سے دریافت کیے بغیر کتاب میں شامل کر دیئے تھے۔ ایک ”دانشی امیر احمد بینائی“ پر، دوسرا ”پروفیسر حیرت“ پر۔ حضرت امیر کا انتقال حیدرآباد میں ہوا اور میں نے وفات ہی کے روز یہ مضمون لکھ کر رسالہ ”افسر“ میں شائع کر دیا تھا۔ یہ بہت ہی سرسری مضمون ہے جس میں نہ پوری سیرت نگاری ہے نہ ان کے کلام پر مکمل تبصرہ۔ نئے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت میں مشرقی پاکستان میں تھا وہاں سے میں نے دوبارہ قاضی احمد میاں اختر جو ناگڑھی مرحوم کو لکھا کہ یہ دونوں مضمون خارج کر دیئے جائیں، لیکن کتابت کے وقت وہ خارج کرنا بھول گئے۔ اس مرتبہ میں نے سخت تاکید کی کہ یہ دونوں مضمون شریک نہ کیے جائیں لیکن علاء الدین خالد صاحب کا اصرار تھا کہ ”پروفیسر حیرت“ والا مضمون اس مرتبہ ضرور شریک کیا جائے کیوں کہ یہ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ مضمون میرا لکھا ہوا نہیں ہے۔ میرے ایک ایرانی نژاد دوست مرزا حیرت کا بچا کچا کلام لائے تھے اور اس کے ساتھ یہ مضمون انگریزی میں لکھا ہوا مجھے دیا۔ اس کا ترجمہ اور حیرت کا کلام دونوں رسالہ ”افسر“ میں شائع ہوئے۔ شیخ چاند مرحوم نے یہ سمجھ کر کہ یہ میری تحریر ہے ”چند ہم عصر“ میں داخل کر دیا۔“ دیباچے کے آخر میں ۲ ستمبر ۱۹۵۹ء درج ہے۔

غالب گمان ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے تمام مضامین کو دیکھا ہوگا اور اس کی اشاعت کی اجازت بھی دی ہوگی۔ (جب کہ حیران کن بات یہ ہے کہ انجمن سے شائع ہونے والی کسی بھی اشاعت میں باباے اردو کا دیباچہ موجود نہیں)۔ اس دیباچے اور خاکوں کی ترتیب سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ باباے اردو کی خواہش کے برخلاف انجمن نے آج تک ”امیر بینائی“ کے خاکے کو شامل رکھا ہے اور باوجود خواہش ”خالدہ ادیب خانم“ کے خاکے کو شامل نہیں کیا۔ انجمن کی آئندہ اشاعت میں اُمید کی جاتی ہے کہ اس خاکے کو شامل کر لیا جائے گا۔ جس کے لیے انجمن، اُردو اکیڈمی سندھ کے نئے کوپیش نظر رکھے تو بہتر ہوگا۔

(۱۱) خالدہ ادیب خانم ترکی سے تعلق رکھنے والی صاحب طرز انشا پرداز اور ادیب تھیں۔ باباے اردو نے ۱۹۳۵ء میں انھیں حیدرآباد کن آنے کی دعوت دی، مگر ریاست حیدرآباد کن کی جانب سے سر اکبر حیدری نے انھیں دوبارہ مدعو کیا تو انھوں نے دعوت قبول کر لی۔

(۱۲) بقول ڈاکٹر جعفر احمد سبط حسن ’۱۹۵۷ء میں ’لیل و نہار‘ کے مدیر بنے۔

(۱۳) یہ علامت قدیم مصنفین کے یہاں صحیح کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ مگر آج کل آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نام کے ساتھ مختصر کر کے لکھ دیتے ہیں جو کہ انتہائی غلط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پورا نام لکھنا چاہیے۔

(۱۴) عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی، چند ہم عصر (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، نومبر ۱۹۵۹ء)، ص ۵۸-۵۹

یہ پیرا گراف خالدہ ادیب خانم کے خاکے میں موجود ہیں جو اس طرح شروع ہوتا ہے ”گانڈھی جی سے بے انتہا متاثر معلوم ہوتی ہیں۔ اپنی کتاب کے تین باب ان کے لیے وقف کر دیئے ہیں اور دل کھول کے مداحی کی ہے۔ وہ ان سے واردہا میں ملیں۔ ان کی سندھیا میں شریک رہیں۔ ان کے رہنے، سہنے، ملنے، جلنے، کام کرنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے کو غور سے دیکھا ان کے آشرم کا معائنہ کیا اور ان کے ساتھ ایک دو گاہیں بھی دیکھے اور ان کی سرگرمیوں سے پوری واقفیت حاصل کی۔ وہ انھیں ”روسی قائد (لینن) سے بزرگ تر اور تاریخی اعتبار سے نادر“ خیال کرتی ہیں۔ یہ رائے انھوں نے چند روز کی ملاقات اور مشاہدے اور گانڈھی جی کے بعض عقیدت مندوں سے گفتگو کے بعد قائم کی۔ یوں دیکھا جائے تو لینن نے جو سوچا تھا اور منصوبہ بنایا تھا، اسے پورا کر کے مرا۔ گانڈھی جی کے سب منصوبے ناکام رہے۔ انسا نہ چلی، ستیا گرہ کی بُری طرح مٹی پلید ہوئی، آشرم بدنام ہو کر ٹوٹ گئے، ہندوستان تقسیم ہو کے رہا۔

ہندو مسلم اتحاد اور تقلیدوں کا تحفظ نہ ہو سکا۔ اچھوت، اچھوت ہی رہے اور چرچا چرخ کھا کر گر گیا۔“

(۱۵) ایضاً، ص ۴۵۹-۴۶۰

درج بالا اقتباس کے بعد مزید ایک پیرا گراف اور درج ہے اس کے بعد ”کلکتے میں نور جہاں کا گانا سنا۔ کالی دیوی کا مندر اور اس کی پوجا دیکھی اور اس کی قربان گاہ کے فرش پونخون بہتا ہوا بھی دیکھا۔ ریلوے اسٹیشنوں پر ”ہندو چائے“ اور ”مسلمان چائے“ کی پکار سنی۔ بمبئی میں ایک رقا ضہ کا ناچ دیکھا۔ لکھنؤ میں بیگمات سے ملیں۔ پشاور میں پٹھانوں اور پٹھانیوں کو دیکھا اور پسند کیا۔ بنارس میں مندر اور دیوتاؤں کے بت دیکھے۔ ڈاکٹر بھگوان داس اور بابوشیو پرشاد سے ملاقات کی اور ان کا نیا نادر مندر ملاحظہ کیا۔“ فی الواقع تمام شہروں میں جو میں نے اب تک دیکھے لاہور زیادہ خوش حال نظر آیا۔ نواح دیہات بھی خاصے کھاتے پیتے معلوم ہوتے تھے۔ دوسرے مرکزوں کی نسبت اس کی حالت اچھی ہے ہر شخص تندرست جان دار اور پیٹ بھرنا نظر آتا ہے اور یہاں کے اکثر آدمی شکل صورت میں نسل انسانی کے بہت اچھے نمونے ہیں۔“ ان کی رائے میں لاہور سرحد اور باقی ہندوستان کے درمیان کی وسطی منزل ہے۔ نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے بلکہ ذہنی اعتبار سے بھی۔

مآخذ:

بریلوی، ڈاکٹر عبادت (مرتبہ)، خطوط عبدالحق بنام ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی، لاہور: مجلس اشاعت مخطوطات، اورینٹل کالج، دسمبر ۱۹۷۶ء۔

بریلوی، ڈاکٹر عبادت (ترتیب و مقدمہ)، خطوط عبدالحق بنام ڈاکٹر عبادت بریلوی، لاہور: ادارہ ادب و تنقید، اکتوبر ۱۹۸۴ء۔

حسن، سید سبط، شہر نگاران، کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۱۶ء۔

حسن، میجر آفتاب (معمد)، سائنس، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، فروری، ۱۹۵۱ء

دستوی، عبد القوی، مکاتیب عبدالحق بنام محوی صدیقی، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۰ء۔

سرور، پروفیسر آل احمد (مرتبہ)، خطوط عبدالحق بنام آل احمد سرور، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۸ء۔

صدیقی، محمد اکبر الدین (مرتبہ)، خطوط عبدالحق، حیدر آباد دکن: حیدر آباد اردو اکیڈمی، سن۔

عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی، چند ہم عصر، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، نومبر ۱۹۵۹ء۔

قدوائی، جلیل، مکاتیب عبدالحق۔ بنام عبد الماجد دریابادی صاحب، مرتبہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۳ء۔

رسائل و جرائد:

عبدالحق، مولوی (مدیر)، قومی زبان، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، جون ۱۹۳۸ء۔

عبدالحق، مولوی (مدیر)، سہ ماہی اردو، حیدر آباد دکن، اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۱ء۔

سہ ماہی ”تاریخ و سیاسیات“، مجلس ادارت، ڈاکٹر محمود حسین خان، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مسٹر ایم۔ بی احمد، ڈاکٹر معین الحق، ڈاکٹر ریاض الحسن، سید حسام الدین راشدی، قاضی احمد میاں اختر، سید ہاشمی فرید آبادی، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، اپریل، ۱۹۵۱ء

”معاشیات“، مجلس ادارت، محمد احمد سبزواری، ڈاکٹر انور اقبال، سید منیر الہدی، ڈاکٹر سردار محمد اختر، سید عبدالصمد، الطاف گوہر، غلام محمد بدر الدین، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، اگست ۱۹۳۹ء